عقدِ حوالہ کے تناظر میں مبادلاتی بل: تحقیقی مطالعہ

Bill of exchange in the Context of Ḥawalah Contract: Research Study

شاد محمد*

محمد عاطف اسلم راؤ**

Abstract

Islam is a complete Deen that comprehensively guides humanity in all aspects of life. The guidance of Islam does not limit itself to worships and rituals alone, but it directs humankind squarely in financial matters as well. Such as, in financial contracts, sometimes a third party takes responsibility for the repayment of the debtor's loan. This practice is called *Ḥawālah* in Islamic Jurisprudence. The subject of this research paper is the same as many new aspects of *Ḥawālah* have emerged in modern times and are most commonly used in society. For example, one of the essential accords in the banking system is the "Bill of Exchange". To understand these modern aspects, it is necessary to comprehend the context and concept of the *Ḥawālah* thoroughly. This article begins with the various definitions of the *Ḥawālah* outlined by different jurists and a brief overview. Then, the paper discusses its jurisprudential status. The article mainly elaborates on 'The Bill of Exchange' with its detailed introduction concerning the Sharia point of view, its various types and its jurisprudential position. Subsequently, a particular study of the bill of exchange is presented in the context of its legal status. Finally, the article concludes itself with a few points extracted from the comprehensive analysis of the subject.

Keywords: Ḥawalah, Induction, Legal analysis, Bill of Exchange.

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس نے جہاں عقائد و عبادات سے متعلق انسان کی راہنمائی کی ہے، وہاں معاملات، بلکہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ حیات کے بارے میں تعلیمات دی ہے۔ مالی معاملات کے دوران کبھی ایسا موقع بھی پیش آتا ہے کہ ایک شخص دوسر کا مقروض و مدیون ہو جاتا ہے اور بسا اوقات مقروض شخص کے قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری کوئی تیسرا شخص لے لیتا ہے، اس قسم کی ضمانت کے لیے فقہ میں دو اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں: حوالہ اور کفالہ۔ حوالہ میں ضمانت لینے کے بعد اصل مقروض مطالبہ سے بری ہو جاتا ہے، جبکہ کفالہ میں وہ بری نہیں ہوتا۔

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی۔

عصرِ حاضر میں بھی کئی ایسے معاملات ہیں جہاں عقدِ حوالہ کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لیے اس مقالہ میں "عقدِ حوالہ" کا مختصر تعارف، اس کی فقہی حیثیت وتکییف ایک اہم جدید صورت (بل آف ایکسچینج) کے حوالے سے ضروری اور بنیادی بحث کی جائے گی۔

اس موضوع پر عربی زبان میں ضمنی طور پر کچھ کام ہوا ہے جیسے محمد مفیض الرحمن کا مقالہ "التعامل بالأوراق التجارية في الشريعة الإسلامية"جو مجلہ دراسات ، جامعہ اسلامیہ عالمیہ،شکاگو (دسمبر 2006ء) میں شائع ہوا ہے۔ اس میں مبادلاتی بل پر کچھ بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح اردو میں مفتی سلمان احمد خان اور ڈاکٹر محمد سعد صدیقی کا مقالہ "دورِ جدید میں کرنسی نوٹ اور ہنڈی: فقہی وشرعی حیثیت "جو فکر ونظر اسلام آباد (جلد:49، شمارہ:4) میں شائع ہوا ہے، اس میں بھی مبادلاتی بل پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

مقالہ کا بنیادی خاکہ حسبِ ذیل ہے:

عقدِ حوالہ کا تعارف وفقہی حیثیت

بل آف ایکسچینج کا جائزہ

خلاصہ ونتائج

عقدِ حوالہ کا تعارف وفقہی حیثیت:

حوالہ کا لغوی مفہوم:

"حَوالہ" (حاء کے فتح کے ساتھ) اسم مصدر ہے، لغت میں اس کے معنی مطلقاً "نقل وانتقال" (Transfer) کے ہیں، خواہ دین، قرض کا نقل ہو یا عین اور کسی حسی چیز کا، البتہ شرعی اصطلاح میں اس کو صرف "دین" یعنی قرض کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ یہ لفظ لازم اور متعدی دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی منتقل ہونا اور منتقل کرنا۔ [1]

حوالہ کی اصطلاحی تعریف:

فقہی اصطلاح میں فقہاء نے عقدِ حوالہ کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے، لیکن اس سے پہلے عمومی طور پر حوالہ کی حقیقت کو ایک مثال سے سمجھنا ضروری ہے اور حوالہ کی اہم اصطلاحات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ائمہ اربعہ کی بیان کردہ تعریف ذکر کی جائے گی اور پھر اس کا مختصر تجزیہ کیا جائے گا۔

---

[1] الفيومي، أحمد بن محمد بن علي المقري، **المصباح المنير في غريب الشرح الكبير**، (بيروت: المكتبة العلمية، ١٩٩٠ء)، ١: ١٥٧

حوالہ کی حقیقت کو بذریعہ مثال یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ زید کا عمر کے ذمہ ایک ہزار روپے قرضہ ہے، عمر خود قرضہ ادا کرنے کے بجائے کسی تیسرے شخص (خالد) سے کہتا ہے کہ میرا قرضہ تم ادا کرلو، خالد اسے قبول کرلے اور زید بھی اس معاہدے پر راضی ہو کہ اس کا قرضہ عمر کے بجائے خالد اسے دے دے۔ اصل میں دین (قرض) عمر کے ذمہ لازم تھا، لیکن اس معاملے کے وجود میں آنے کی وجہ سے وہ دین یا قرض عمر سے خالد کی طرف منتقل ہو گیا، دین کی اس منتقلی کو "حوالہ" کہتے ہیں۔ عقدِ حوالہ کے چار اطراف ہیں:

محیل: اصل مقروض کو کہتے ہیں، جو اپنے قرضے / دین کو دوسرے کی طرف منتقل کرتا ہے، جیسے مندرجہ بالا مثال میں عمر محیل ہے۔ اسے انگریزی میں (Transferor) کہتے ہیں۔

محتال: قرض خواہ کو کہتے ہیں، جس کے لیے حوالہ کیا گیا، جیسے مذکورہ بالا مثال میں زید محتال ہے، اس کو "محال"، "محال لہ" اور "حویل" بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو (Transferee) کہتے ہیں، اور بعض فقہاء نے محتال کو "محتال لہ" کا نام بھی دیا ہے[2]، لیکن اصحابِ لغت اور دوسرے فقہاء کے ہاں محتال کے ساتھ "لہ" کا صلہ استعمال کرنا لغو ہے۔[3]

محتال علیہ: اُس تیسرے شخص کو کہتے ہیں جس نے مقروض کے قرضہ کی ادائیگی اپنے ذمہ لی، اس کو "محال علیہ" بھی کہتے ہیں، جیسا کہ اوپر کی مثال میں خالد محتال علیہ ہے۔ اس کو انگریزی میں (Payer یا Surety) کہتے ہیں، جبکہ اردو میں اس کو "ضمانت لینے والا" کہہ سکتے ہیں۔

محال بہ: اُس قرض یا دین (Debt) کو کہتے ہیں جو اصل مدیون سے محتال علیہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، جیسے مذکورہ بالا مثال میں ایک ہزار روپے۔

فقہاء حنفیہ کی ذکر کردہ تعریف:

فقہاء حنفیہ نے عموماً حوالہ کی تعریف مختصر الفاظ میں یوں کی ہے:

"نَقْلُ الدَّيْنِ مِنْ ذِمَّةٍ إِلَى ذِمَّةٍ"[4]

"ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف دین کا منتقل ہونا۔"

---

[2] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، **رد المحتار**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲ء)، ۵: ۳۴۰

[3] أبو الفتح، ناصر الدین بن عبد السید بن، **المغرب في ترتيب المعرب** (حلب: مکتبۃ أسامۃ بن زید، ۱۹۷۹ء) ۱: ۲۳۵

[4] ابن نجیم، زین الدین بن إبراهیم بن محمد، **البحر الرائق**، (لبنان: دار الکتاب الاسلامي، ۱۹۹۰ء)، ۶: ۲۶۶

جبکہ علامہ بابرتیؒ نے ہدایہ کی شرح عنایہ میں حوالہ کی تعریف میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر کے لکھا ہے:

"تحويل الدين من ذمة الأصيل إلى ذمة المحتال عليه على سبيل التوثق به"[5]

"دین کو اصیل (اصل مقروض) کے ذمہ سے محتال علیہ (ضمانت لینے والے) کے ذمہ کی طرف بااعتماد طریقے سے منتقل کرنا حوالہ ہے۔"

الفاظ کے چناؤ اور اندازِ بیان کے معمولی اختلاف کے ساتھ اصل مقصد دونوں تعریفات کا ایک ہی ہے یعنی "دین کو اصل مقروض (محیل) کے ذمہ سے دوسرے شخص (محتال علیہ) کے ذمہ کی طرف منتقل کرنا"، اس سے لغوی اور اصطلاحی معنی میں مطابقت بھی واضح ہوگئی اور چونکہ حوالہ بھی "رہن" اور "کفالہ" کی طرح ایک عقدِ توثیق ہے، عام طور پر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دائن کو اس کا حق آسانی سے حاصل ہو جائے اور اُسے دین کی وصولی پر اعتماد ہو جائے، اس لیے علامہ بابرتیؒ نے "علی سبیل التوثق" کی قید کا اضافہ فرمایا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک حوالہ کی تعریف:

علامہ دردیرؒ ان الفاظ میں حوالہ کی تعریف کرتے ہیں:

"هي نقل الدين من ذمة بمثله إلى أخرى تبرأ بها الاولى"[6]

"دین کا ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف منتقل ہونا، اُس دین کی وجہ سے جو پہلے دین کے برابر دوسرے شخص (محتال علیہ) کے ذمہ لازم ہو، اس کی وجہ سے پہلا ذمہ (محیل) بری ہو جاتا ہے۔"

شوافع کے نزدیک حوالہ کی تعریف:

شافعیہ کے ہاں بھی حوالہ کی تعریف احناف کی ذکر کردہ تعریف سے ملتی جلتی ہے، چنانچہ انہوں نے حوالہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"عقد يقتضي نقل دين من ذمة إلى ذمة ويطلق على انتقاله من ذمة إلى أخرى"[7]

"(حوالہ) ایسا عقد ہے جو ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف دین کے منتقل ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اور (کبھی عقد سے پیدا ہونے والے اثر یعنی) دین کی منتقلی پر بھی حوالہ کا اطلاق ہوتا ہے۔"

---

[5] البابرتي، اکمل الدین محمد بن محمد، **العناية شرح الهداية**، (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۸۸ء)، ۱۰: ۱۷۷

[6] الدردیر، بوالبرکات أحمد بن محمد العدوي، **الشرح الكبير**، (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۳ء)، ۳: ۳۲۵

[7] شربینی، محمد الخطیب، **مغني المحتاج**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۰ء)، ۲: ۱۹۳

حنابلہ کے نزدیک حوالہ کی تعریف:

فقہاء حنابلہ نے حوالہ کی تعریف مختلف الفاظ میں بیان کی ہے، بعض نے حوالہ کی بعینہ وہی تعریف کی ہے جو فقہاء حنفیہ نے ذکر کی ہے، جیسے "مختصر الخرقی" میں ہے:

"هي نقل الدين من ذمة المحيل إلى ذمة المحال عليه"[8]

"دین کا محیل کے ذمہ سے محال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہونا حوالہ ہے۔"

حوالہ کی شرائط وغیرہ میں اگرچہ فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن حوالہ کے بنیادی مقصد کہ دین اصل مدیون سے منتقل ہو کر تیسرے شخص (محتال علیہ) کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے، اس پر فی الجملہ تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

حوالہ کی تعریف کا تجزیہ:

ذیل میں ہم حوالہ کی تعریف سے متعلق چند فوائد اور اس میں ذکر کردہ قیود کی وضاحت کریں گے جن سے کچھ اہم مسائل کی طرف رہنمائی بھی ہو گی:

1-حوالہ کی تعریف میں لفظِ "نقل" ذکر کرنے سے حوالہ اور کفالہ میں فرق ہو گیا کہ حوالہ میں دین تیسرے شخص (Third person) (محتال علیہ) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جبکہ کفالہ میں دین کی منتقلی نہیں ہوتی، بلکہ اصل مدیون کے ساتھ ساتھ کفیل بھی ذمہ داری میں شامل ہو جاتا ہے۔

2-یہاں نقل سے مراد نقلِ حسی نہیں، بلکہ نقلِ شرعی ہے، یعنی حکمی اور اعتباری نقل مراد ہے، اسی لیے فقہاء نے عین (مادی اور محسوس چیز) کے حوالہ کو ناجائز لکھا ہے، کیونکہ عین میں صرف نقلِ حسی ہی متصور ہو سکتی ہے، اور اس میں یہ ممکن نہیں ہوتا کہ کسی ایسے محل (محتال علیہ کے ذمہ) میں اس کا اعتبار کیا جائے جہاں یہ حقیقت میں موجود ہی نہ ہو، جبکہ دین ایسا وصف ہے جو انسان کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور اس میں نقلِ اعتباری ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی تیسرا شخص (محتال علیہ) دین کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے تو یہ ذمہ داری اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

3-"دَین" (Debt) انسان کا وہ حق ہے جو دوسرے کے ذمہ لازم ہو جائے، خواہ کسی معاملہ کی وجہ سے ہو ، یا کسی چیز کو تلف کرنے ، قرض لینے کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ۔اُردو زبان میں ایسے مالی حق کو "قرض" (Loan) بھی کہہ دیتے ہیں، تاہم عربی زبان میں "دَین" اور "قرض" میں فرق کیا گیا ہے:

[8] الخرقي، أبو القاسم عمر بن الحسين بن عبد الله، **مختصر الخرقي**، (مصر: دار الصحابة للتراث، ۱۹۹۳ء)، ۱: ۶۹

(الف)- "دَین" ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے یعنی کسی بھی سبب سے دوسرے کے ذمہ جو مالی حق لازم ہو جاتا ہے وہ دین ہے، لیکن قرض اس کی ایک خاص صورت کا نام ہے، اور وہ ہے "استقراض" یعنی کسی کو اس نیت سے کوئی مثلی چیز دینا کہ وہ بعد میں واپس کر دے گا، لہذا دونوں میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، کہ ہر قرض دین ہے، لیکن ہر دین قرض نہیں ہے۔

(ب)-دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ "دین" کے اندر ادائیگی کا وقت (اجل) مقرر ہوتا ہے، اس متعین وقت سے پہلے دائن مدیون سے اپنے حق کا مطالبہ نہیں کر سکتا، البتہ قرض کے اندر وقتِ ادائیگی کی کوئی تعیین نہیں ہوتی، بلکہ قرض خواہ کسی بھی وقت مقروض سے اپنا قرض طلب کر سکتا ہے۔

4-حوالہ کی تعریف سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ضروری ہے کہ اصل مقروض یعنی "محیل" کے ذمہ قرض خواہ یعنی "محال" کا دین ہو، خواہ حکمی ہو یا حقیقی، کیونکہ اس کے بغیر ایک ذمہ سے دوسرے ذمہ کی طرف دین کی منتقلی ممکن نہ ہو گی۔[9]

5-حوالہ کی تعریف میں دو جگہ لفظِ "ذمہ" استعمال ہوا ہے، ایک "من ذمة" اور دوسرا "إلى ذمة"۔ پہلی جگہ ذمہ سے "محیل" یعنی مدیون کا ذمہ مراد ہے، جبکہ دوسری جگہ "محتال علیہ" یعنی اس شخص کا ذمہ مراد ہے جو دین کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔

"ذمہ" کے اصل معنی عہد و پیمان، ذمہ داری، امان کے آتے ہیں، البتہ فقہاء کرام کی اصطلاح میں "ذمہ" سے مراد وہ مفہوم یا انسان کا وہ وصف ہے جس کے ذریعے انسان کسی حق کا مستحق یا اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ہوتا ہے، جیسے کہا جائے کہ: "في ذمتي لك كذا" تمہارے لیے میرے ذمے فلاں چیز ہے، یعنی میں اس کے دینے کا پابند ہوں اور تم اس کے لینے کا حقدار ہو، اس کی جمع "ذِمم" آتی ہے۔[10]

حوالہ کی فقہی تکییف:

عقدِ حوالہ کی فقہی تکییف سے مراد یہ ہے کہ شرعی لحاظ سے حوالہ کا معاملہ کس باب میں داخل ہے؟ عقدِ حوالہ کس قسم کا عقد ہے؟ کیا یہ خرید و فروخت کا معاملہ ہے، قرض کا لین دین ہے یا کوئی اور عقد ہے؟ اس سوال کے

---

[9] آفندي، علي حيدر خواجه أمين، **درر الحكام في شرح مجلة الأحكام** (بيروت: دار الجيل، ۱۹۹۱ء) ۱: ۱۲۸؛ وابن عابدين، **رد المحتار**، ۵: ۱۵۷

[10] ابن نجیم، **البحر الرائق**، ۶: ۲۲۱

جواب میں علماء کی مختلف آراء سامنے آئی ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے دس اقوال ذکر فرمائے ہیں۔[11]
ان دس اقوال میں بنیادی اور مشہور اقوال تین ہیں:

۱۔ بیع الدین بالدین ۲۔ ایفاء یا استیفاء مع القرض ۳۔ عقدِ تبرع (عقدِ ارفاق مستقل)

بیع الدین بالدین:

پہلا قول یہ ہے کہ عقدِ حوالہ "بیع" ہے، جس میں دین کے بدلے دین کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ چنانچہ عقدِ حوالہ میں محال (دائن) اپنا دین (جو کہ محیل یعنی اصل مقروض کے ذمہ تھا اسے) فروخت کر کے اس کے بدلے محال علیہ (ضمانت لینے والے) سے دین وصول کرتا ہے اور اگر حوالہ مقیدہ ہے تو محیل (اصل مدیون) اپنے اوپر لازم شدہ دین کے بدلے اس دین کو بیچ دیتا ہے جو محال علیہ (ضمانت لینے والے) کے ذمہ لازم ہے۔

دین کے بدلے دین کی بیع (بیع الدین بالدین) جمہور علماء کے ہاں جائز نہیں ہے اور اس کے عدم جواز پر باقاعدہ احادیث بھی موجود ہیں، تاہم عقدِ حوالہ کے ضمن میں پائے جوانے والے اس معاملہ (بیع الدین بالدین) کو حاجت کی وجہ سے، نصوص کی بنیاد پر جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ رائے فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ اور بعض حنفیہ نے اختیار کی ہے۔[12]

ایفاء یا استیفاء مع القرض:

استیفاء مع القرض کا مطلب یہ ہے کہ عقدِ حوالہ کے ذریعے محال (قرض خواہ) اپنا حق محال علیہ (ضمانت لینے والے) سے وصول کر لیتا ہے، اس لیے یہ استیفاء یعنی "وصولی" ہوئی اور اس وصولی کی وجہ سے محیل (اصل مقروض) محال علیہ کا مقروض بن جاتا ہے، اس لیے حوالہ کی وجہ سے قرض بھی وجود میں آ گیا۔ گویا کہ اصل قرض خواہ نے استیفاءِ حق کے ساتھ ساتھ اپنے مقروض کو محال علیہ (ضمانت لینے والے) کا مقروض بھی بنا دیا، اس لیے یہ استیفاء مع القرض ہوا، لیکن چونکہ حوالہ مقیدہ میں محال علیہ پر محیل کا پہلے سے دین ہوتا ہے، اس لیے محیل کے ذمہ سے اس کا قرض ساقط ہو جائے گا۔

---

[11] السیوطي، عبد الرحمن بن أبي بکر، **الأشباہ والنظائر**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۰ء)، ۱: ۴۶۱

[12] ابن رشد قرطبی، محمد بن احمد، **بدایۃ المجتھد**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۰ء)، ۲: ۲۹۹؛ شیخ الإسلام زکریا الأنصاري، أسنی المطالب في شرح روض الطالب، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۰ء)، ۲: ۲۳۰؛ ابن نجیم، زین الدین بن إبراہیم بن محمد الأشباہ والنظائر، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۰ء)، ۳۵۸

یہ قول بعض فقہاء شافعیہ کا ہے۔[13] جبکہ علامہ ابن تیمیہؒ نے حوالہ کو صرف "ایفاء" (قرض اور حق کی ادائیگی) قرار دیا ہے۔[14]

عقدِ تبرع یا عقدِ ارفاق مستقل:

چوتھا قول یہ ہے کہ حوالہ نہ تو کسی اور عقد پر محمول ہے اور نہ ہی یہ بیع الدین بالدین کی کوئی استثنائی صورت ہے، بلکہ یہ قرض کی طرح ایک مستقل عقدِ تبرع ہے جسے ضرورت اور حاجت کی بنیاد پر شریعت نے مشروع قرار دیا ہے۔ یہ فقہاء حنابلہ کی رائے ہے۔ اسی طرح فقہاء حنفیہ کے ہاں بھی یہی قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فقہاء حنفیہ کی تصریح کے مطابق حوالہ کا مقصد کوئی معاوضہ نہیں ہے، بلکہ یہ محض نقل ہے جو کہ قرض کی طرح ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"الْحَوَالَةَ مَا وُضِعَتْ لِلتَّمْلِيكِ بَلْ لِلنَّقْلِ"[15]

حنابلہ کے نزدیک یہی قول راجح ہے،[16] بعض مالکیہ نے بھی یہی قول اختیار فرمایا ہے۔[17] حضراتِ شوافع کا بھی ایک قول یہی ہے۔[18]

عقدِ حوالہ کو مستقل عقدِ تبرع اور عقدِ افراق قرار دینا زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، اس کی وجوہات چوتھی رائے کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں۔

بل آف ایکسچینج کا جائزہ:

عقدِ حوالہ کے تعارف کے بعد اس کی ایک اہم جدید صورت (بل آف ایکسچینج) کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس کو تین نکات میں بیان کیا جائے گا:

۱۔ تعارف ۲۔ فقہی تکییف ۳۔ شرعی حکم

---

[13] شربيني، **مغني المحتاج**، ۲: ۱۹۳

[14] ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم، **مجموع الفتاوى**، (مصر: دار الوفاء، ۲۰۰۵ء)، ۲۰: ۵۱۲

[15] ابن عابدين، **رد المحتار**، ۵: ۳۴۷

[16] ابن قدامة، **المغني**، ۵: ۵۴

[17] القرافي، شهاب الدين أحمد بن إدريس، **الذخيرة**، (بيروت: دار الغرب، ۱۹۹۴ء)، ۹: ۲۴۲

[18] الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد، **الحاوي في فقه الشافعي**، (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۴ء)، ۶: ۴۱۹

بل آف ایکسچینج کا تعارف:(Bill of Exchange)

یہ ایک دستاویزی بل ہوتا ہے جسے عمومی طور پر بین الاقوامی شپنگ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس بل کے ذریعے خریدار کو قانونی طور پر پابند کیا جاتا ہے کہ وہ مقررہ تاریخ پر فروخت کنندہ کو ایک متعین رقم ادا کرے۔ اس بل کی باقاعدہ خرید و فروخت اور تبادلہ بھی ہوتا ہے۔

یہ بل اس طرح وجود میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر کوئی چیز ادھار بیچ دیتا ہے تو وہ خریدار کے لیے ایک بل بناتا ہے، جس کی ادائیگی کچھ مدت بعد اس کی لازم ہوتی ہے۔ خریدار اس بل کو منظور کر کے اس کی پشت پہ دستخط کرلیتا ہے، جس سے اس پر بل کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے۔اس بل یا دستاویز کو انگریزی میں "بل آف ایکسچینج"(Bill of Exchange) کہتے ہیں اور عربی میں اس کو" كمبيالة"، جبکہ اور اردو میں اس کو"ہنڈی" یا "مبادلاتی بل" کہا جاتا ہے۔

جس تاریخ کو رقم کی ادائیگی ہوتی ہے اس کو عربی میں "نضج الكمبيالة"، انگلش میں "میچورٹی ڈیٹ" (Maturity Date) کہتے ہیں۔ جو بل پر دستخط کر کے اپنے اوپر قیمت کی ادائیگی لازم کرتا ہے اس کو عربی میں "ساحب" اور انگریزی میں (Drawer) کہتے ہیں۔ جس کی قیمت دوسرے پر لازم ہوتی ہے، اس کو عربی میں "مسحوب عليه" اور انگریزی میں (Drawee) کہتے ہیں۔ عموما ایسا ہوتا ہے کہ تاجر (فروخت کنندہ) اس بل کو کسی تیسرے فریق / بینک کو بیچ دیتا ہے اور وہی تیسرا فریق / بینک بعد میں مقروض (خریدار) سے رقم کی وصولی کرتا ہے، اس تیسرے فریق یا بینک کو عربی میں "المستفيد" اور انگریزی میں (Payee) کہتے ہیں۔

انوسٹوپیڈیا میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"A bill of exchange is a written order used primarily in international trade that binds one party to pay a fixed sum of money to another party on demand or at a predetermined date. Bills of exchange are similar to checks and promissory notes—they can be drawn by individuals or banks and are generally transferable by endorsements".[19]

بل آف ایکسچینج ایک تحریری حکم نامہ ہے جو بنیادی طور پر بین الاقوامی تجارت میں استعمال ہوتا ہے، جو ایک فریق کو پابند کرتا ہے کہ وہ مطالبہ پر یا پہلے سے طے شدہ تاریخ پر کسی دوسرے فریق کو ایک متعین رقم ادا

[19] https://www.investopedia.com/terms/b/billofexchange.asp

کرے۔ تبادلے کے بل چیک اور پرومیسری نوٹ کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ بل انفرادی طور پر یا بینکوں کے ذریعے تیار کیے جاسکتے ہیں اور عام طور پر انڈورسمنٹ کے ذریعے منتقل کیے جاسکتے ہیں۔

معاییر شرعیہ میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"الكمبيالة: صك يحرر وفقا لشكل قانوني معين، ويتضمن أمرا صادرا من شخص (يسمى الساحب) موجها إلى شخص آخر (يسمى المسحوب عليه) بأن يدفع مبلغا معينا لدى الاطلاع، أو في تاريخ معين، أو قابل للتعيين إلى شخص ثالث (يسمى المستفيد)"[20]

ہنڈی: یہ ایک ایسی دستاویز ہے جسے خاص قانونی شکل میں جاری کیا جاتا ہے۔ اس میں فریق اول (جاری کرنے والے) کی طرف سے فریق دوم (حاملِ دستاویز) کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ فریق ثالث (مستفید) کو مطالبہ پر، یا ایک مخصوص مدت کے اندر اندر، یا کسی متعین، یا قابلِ تعین تاریخ پر ایک مخصوص رقم ادا کردے۔

تعارف کے سلسلے میں بل آف ایکسچینج کے تجارتی فوائد کو بھی سمجھنا چاہیے۔ اس قسم کے بلوں کے کئی فوائد ہیں، مثلاً:

۱۔ پہلا فائدہ: یہ بطور وسیلہ اور آلہ تبادلہ استعمال ہوتا ہے، ملکی اور غیر ملکی ادائیگیوں کے لئے ایک موثر ذریعہ ہے۔

۲۔ دوسرا فائدہ: اس میں فریقین کا فائدہ ہوتا ہے۔ تاجر کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو اپنی رقم کی عدم وصولی کے خطرات کم سے کم ہو جاتے ہیں اور خریدار کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو فی الفور ادائیگی نہیں کرنی پڑتی، بلکہ مستقبل کی ادائیگی اور ادھار پر اس کو مطلوبہ چیز مل جاتی ہے۔

۳۔ تیسرا فائدہ: یہ ادائیگی کا ایک محفوظ ذریعہ ہے کیونکہ اگر خریدار مطلوبہ وقت پر ادائیگی نہیں کرتا تو تاجر بل آف ایکسچینج کے ذریعہ قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہے، کیونکہ اس کے پاس تحریری ثبوت موجود ہوتا ہے۔

۴۔ چوتھا فائدہ: اس میں کٹوتی کا بھی فائدہ ہے جس کو "خصم الكمبيالة" کہا جاتا ہے۔

بل آف ایکسچینج کی مختلف اقسام ہیں، کچھ ملکی لحاظ سے، کچھ مقاصد کے لحاظ سے، کچھ ادائیگی کے لحاظ سے۔ چند اہم اقسام یہ ہیں:

۱۔ پہلی قسم: (Inland Bill) جو صرف ملکی تجارت کی صورت میں وجود میں آتے ہیں۔ تبادلہ بھی ملکی سطح پر ہوتا ہے اور تاجر اور خریدار دونوں ایک ہی ملک ہوتے ہیں۔

---

[20] هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية (aaoifi)، المعايير الشرعية، (دار الميمان للنشر والتوزيع،) ۱۷۸، رقم المعيار: ۱۶

۲۔ دوسری قسم: (Foreign Bill) جس بل میں ملکی فریق کے علاوہ غیر ملکی فریق بھی شامل ہو سکتا ہو۔ مثلا تاجر پاکستان کا، اور خریدار سنگاپور کا ہو۔

۳۔ تیسری قسم: (Commercial Bill) یہ تجارتی بل ہوتے ہیں جو تجارتی معاملات اور لین دین کے سلسلے میں وجود میں آتے ہیں۔

4۔ چوتھی قسم: (Accommodation Bill) اس قسم کو "اعانتی بل" کہہ سکتے ہیں۔ جو کسی قرض وغیرہ کے سلسلے میں وجود میں آتے ہیں۔

5۔ پانچویں قسم: بعض بلوں کی ادائیگی عند الطلب واجب ہوتی ہے، ان کو (On Demand) کہتے ہیں اور بعض بلوں میں مدت لکھی جاتی ہے کہ اتنی مدت بعد رقم کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، ان کو (Time Bill) کہتے ہیں۔[21]

فقہی تکییف:

بل آف ایکسچینج کی فقہی تکییف کے بارے میں معاصر علماء کی تین آراء ہیں:

سفتجہ:

بعض عرب ممالک کے قوانین میں بل آف ایکسچینج کو "سفتجہ" کا نام دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ ہنڈی کا معاملہ در حقیقت "سفتجہ" ہے۔ اس میں ایک شخص دوسرے کو اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ قرض لینے والا یہ قرض کسی دوسرے شہر واپس کرے گا۔[22]

اگر غور یا جائے تو یہ رائے کمزور معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سفتجہ کا بنیادی مقصد راستے کا خطرہ دور کرنا ہوتا ہے، جبکہ ہنڈی کا یہ مقصد نہیں ہوتا۔ اسی طرح سفتجہ میں قرض لینے والا کسی دوسرے شہر میں قرض کی ادائیگی کرتا ہے، جبکہ ہنڈی میں ایسا ضروری نہیں ہے۔

---

[21] دکتور مولانا عصمت اللہ، **زر کا تحقیقي مطالعہ**، (کراتشي: ادارۃ المعارف)، ۳۷۵

[22] خثلان، سعد بن ترکي، **أحكام الأوراق التجارية في الفقه الإسلامي**، (السعودية: دار ابن الجوزي، ۲۰۱۲ء)، ۱۱٦

سفتجہ: (سین پر ضمہ) کے لغوی معنی مضبوطی واحکام کے آتے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو کسی شہر میں اس شرط کے ساتھ قرض دیتا ہے کہ وہ (مقروض) فلاں دوسرے شہر یا جگہ میں خود قرض خواہ کو یا اس کے کسی نائب کو یہ قرض واپس کرے گا۔ مثلا زید نے کراچی میں عمر کو اس شرط کے ساتھ ایک لاکھ روپے قرض دیے کہ عمر یہ رقم اسلام آباد میں زید کو یا اس کے گھر والوں کو دے گا۔ سعدي أبو جيب، **القاموس الفقهي**، (دمشق: دار الفکر، ۱۹۸۸ء)، ۱۷۳

قرض:

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ بل آف ایکسچینج در حقیقت قرض کا معاملہ ہے۔ جب کوئی شخص ادھار کوئی چیز خرید تا ہے اور اس کی قیمت اس پر لازم ہو جاتی ہے تو گویا کہ یہ فروخت کنندہ کا قرض ہے۔ اسی طرح اگر فروخت کنندہ اس بل کو کسی تیسرے پر بیچتا ہے تو یہ بھی قرض ہی کا معاملہ ہے کہ گویا اس نے کسی تیسرے سے اپنے لیے قرض لے لیا اور تیسرا شخص بعد میں اس کے مقروض (خریدار) سے وہ قرض وصول کرے گا۔[23]

حوالہ:

مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ یہ عقدِ حوالہ ہے۔ اس میں فروخت کنندہ "محال لہ" ہے، خریدار "محیل" ہے اور بینک یا تیسرا شخص "محال علیہ" ہے۔ چونکہ جس نے یہ بل جاری کیا ہوتا ہے (یعنی بینک) اس نے بل جاری کرتے وقت ہی اس بات کا اظہار کر لیا ہے کہ وہ اس حوالہ پر راضی ہے، اس لیے اس کی رضامندی موجود ہے، اس کے بعد جب حاملِ بل اور کوئی تاجر باہمی طور پر بل کی بنیاد پر معاملہ کر لیتے ہیں تو مزید دونوں فریقین کی رضامندی بھی ہو گئی، لہذا عقدِ حوالہ کے تینوں فریق کی رضامندی پائی گئی ہے۔

آپ لکھتے ہیں:

"فأما «البون» و«الكمبيالات» والوثائق الأخرى التي يكتب عليها مبلغ الدين منذ يوم إجرائها, فإن التعامل بها حوالة صحيحة بلا ريب, لأن الذي أصدرها قد كتب عليها أني مدين لكل من يحملها بهذا المبلغ المعلوم. فكلما سلمها حاملها إلى رجل آخر فقد أحال دينه عليه, وقد جاء رضا المحيل والمحتال صريحا, ورضا المحتال عليه معنى، لأن المحتال عليه هو الذي أجرى هذه الأوراق لأول مرة, وقد رضي بأداء مبلغها إلى كل من يحملها"[24]

جہاں تک بانڈ، مبادلاتی بل اور دیگر دستاویزات کی بات ہے، جن پر اجراء کے دن سے ہی دین کی مقدار لکھی ہوتی ہے تو ان کے ساتھ تعامل کرنا بلاشک حوالہ صحیحہ ہے، کیونکہ جو ان دستاویزات کو جاری کرتا ہے، وہ یہ لکھ لیتا ہے کہ میں ہر اس شخص کا مدیون ہوں جس کے ہاتھ میں یہ معلوم دین کی دستاویز موجود ہے، لہذا حاملِ ستاویز جب بھی اسے کسی اور کو دیتا ہے تو اس نے اپنے دین کا حوالہ کر دیا۔ اس میں محیل اور محتال کی رضامندی تو صراحت س آگئی

---

[23] خثلان، سعد بن تركي، **فقه المعاملات المالية**، (السعودية: دار الصميعي للنشر والتوزيع، ۲۰۱۲ء)، ۸۵

[24] عثمانی، مفتی محمد تقی، **تكملة فتح الملهم**، (کراتشي: معارف القرآن)، ۱: ۴۸۳

ہے، جبکہ محتال علیہ کی رضامندی بھی معنوی طور پر موجود ہے، کیونکہ محتال علیہ ہی وہ شخص ہے جو ان اوراق کو پہلی مرتبہ جاری کرتا ہے اور اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ جس کے پاس بھی یہ اوراق ہیں، وہ اس کو ادائیگی کر دے گا۔

یہی رائے معاییر شرعیہ میں بھی اختیار کی گئی ہے، تاہم اس میں یہ اضافہ ہے کہ اگر بل منظور کرنے والے پر کسی قسم کا دین / قرض نہ ہو، اس کے باوجود وہ بل منظور کر کے اس پر دستخط کرتا ہے اور کسی شخص کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ جا کر بل منظور کرنے والے کے اکاؤنٹ سے کچھ خاص مقدار کی رقم بینک سے وصول کرے تو یہ عقدِ وکالہ ہو گا اور حاملِ دستاویز کو وکیل قرار دیا جائے گا۔

"تعتبر الكمبيالة من قبيل الحوالة إذا كان الشخص المستفيد الذي سحبت لأمره دائنا للساحب، ويكون الساحب هو المحيل الذي يصدر أمرا للمسحوب عليه بدفع مبلغ معين من النقود في تاريخ معين للمستفيد المحدد.أما الجهة الملتزمة بدفع المبلغ المعين (المسحوب عليه) فيه المحال عليه، والمستفيد حامل الكمبيالة هو المحال فإن لم يكن المستفيد دائنا للساحب كان إصدار الكمبيالة توكيلا من الساحب للشخص في قبض واستيفاء مبلغ الكمبيالة.تعتبر الكمبيالة في حال عدم وجود مديونية بين الساحب والمسحوب عليه من قبيل الحوالة المطلقة"[25]

جس شخص کے لیے ہنڈی کا بل جاری کیا جائے، اگر وہ ہنڈی جاری کرنے والے کا دائن ہو تو اس ہنڈی کو "حوالہ" قرار دیا جائے گا اور ہنڈی جاری کرنے والا محیل ہو گا، جو ہنڈی کی رقم دینے والے کو حکم دیتا ہے کہ وہ متعین تاریخ میں ایک خاص شخص کو ایک متعین رقم اداء کر دے۔ رہی بات متعین رقم کی ادائیگی کا التزام کرنے والے ادارے کی تو وہ محال علیہ ہوتا ہے اور ہنڈی کا حامل اور اس سے استفادہ کرنے والا شخص محال ہوتا ہے۔ اگر ہنڈی سے استفادہ کرنے والا شخص، ہنڈی جاری کرنے والے کا دائن نہ ہو تو اس صورت میں ہنڈی کا اجراء گویا ہنڈی جاری کرنے والے کی طرف سے اگلے شخص کو قبضہ اور ہنڈی کی رقم کی وصولی کا وکیل مقرر کرنا ہے۔

ہنڈی جاری کرنے والے اور ہنڈی کی رقم دینے والے کے درمیان قرض کے تعلق نہ ہونے کی صورت میں ہنڈی کو "حوالہ مطلقہ" سمجھا جائے گا۔

یہی رائے زیادہ راجح ہے کہ کیونکہ جب "فروخت کنندہ" بل کو فروخت کر دیتا ہے اور ادائیگی کا وقت آجانے پر اصل مقروض (خریدار) سے رقم وصول نہ ہو سکے تو بینک دوبارہ تاجر کی طرف رجوع کر کے اپنی رقم اس سے واپس

---

[25] ایوفی، **المعايير الشرعية**، ۵۴، رقم المعیار، ۷

لے لیتاہے،یہی حوالہ کی حقیقت ہے،ورنہ بیع کے اندر ایسا نہیں ہوتا کہ قرض خریدنے والا(بینک)دوبارہ بائع (تاجر) سے اپنی رقم کا مطالبہ کرے۔ اگر یہ بیع ہوتی تو تاجر بل فروخت کرکے بری ہو جاتا اور بینک کو اس سے رجوع کا اختیار نہ تا، کیونکہ بیع میں سارے حقوق خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، البتہ حوالہ میں ایسا ہوتا ہے اگر محال علیہ کو محیل سے رقم نہ ملے تو وہ محتال علیہ محال لہ سے رجوع کر سکتا ہے، جس کو فقہی اصطلاح میں "توی" کہتے ہیں۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ عقدِ حوالہ میں تینوں فریق (قرض خواہ، مقروض اور ضامن) کا مجلس عقد میں حاضر ہو کر رضامند ہونا ضروری ہے، ورنہ حوالہ منعقد نہ ہو گا، جبکہ بل آف ایکسچینج میں بنیادی طور پر یہ شرط مفقود ہوتی ہے، کیونکہ بل آف ایکسچینج کے تبادلہ میں عموماً دو ہی فریق حاضر ہوتے ہیں۔ ایسے اشکال کا جواب یہ ہے کہ مجلس عقد میں حاضر ہو کر رضامندی کی شرط کے بارے میں کچھ تفصیل ہے:

عقدِ حوالہ کے منعقد یا نافذ ہونے کے لیے مجلسِ عقد میں کتنے فریق کا حاضر ہونا ضروری ہیں؟ اس سلسلے میں خلاصہ یہ ہے کہ اگر تینوں فریق مجلسِ حوالہ میں موجود ہو کر عقدِ حوالہ کرلے تو تمام ائمہ کے ہاں وہ عقد درست ہو جائے گا، لیکن اگر تین میں سے دو فریق عقدِ حوالہ کرلے تو حنفیہ کے نزدیک اگر محال (دائن / قرض خواہ) مجلس عقد میں موجود ہے تو اس کے ساتھ خواہ محیل (مدیون / مقروض) معاملہ کرے یا محال علیہ (ضمانت لینے والا)، دونوں صورتوں میں حوالہ بالاتفاق صحیح ہے، لیکن اگر محال (دائن / قرض خواہ) مجلس میں موجود نہیں ہے اور بقیہ دو فریقین کے درمیان عقد حوالہ ہو جائے تو پھر حوالہ کے صحیح ہونے، نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک محال (دائن / قرض خواہ) کی محض رضامندی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کا یا اس کے نائب کا مجلسِ عقد میں موجود ہو کر حوالہ قبول کرنا ضروری ہے، ورنہ حوالہ منعقد ہی نہیں ہو گا۔ جبکہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کی صرف رضامندی کافی ہے، لہٰذا حوالہ منعقد ہو کر اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔[26]

[26] أتاسي، محمد خالد، شرح المجلة، (کوئٹہ: مکتبۃ رشیدیۃ 2013ء)، ۳: ۴۰۴

فقہاء احناف نے طرفین کے قول کو صحیح قرار دیا ہے، تاہم مجلة الأحكام العدلية میں لوگوں کی آسانی اور سہولت کے لیے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، لہذا اگر محال (قرض خواہ) مجلسِ عقد میں موجود نہ بھی ہو، لیکن بعد میں اپنی رضامندی کا اظہار کر لے تو حوالہ منعقد ہو جائے گا۔[27]

لہذا بل آف ایکسچینج کے عقدِ حوالہ ہونے میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہونا چاہیے۔

شرعی حکم:

جہاں تک بل آف ایکسچینج کا شرعی حکم ہے تو ابتدائی طور پر اس قسم کے بل بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ ادھار معاملات کی توثیق اور اعتماد کے لیے بنائے جاتے ہیں، تاکہ مقروض بعد میں انکار نہ کر سکے، لہذا یہ شرعی اعتبار سے درست ہے، لیکن جیسے پہلے عرض کیا گیا ہے کہ فروخت کنندہ (جس کا قرض دوسرے پر لازم ہو جاتا ہے اور بل کا مالک بھی سمجھا جاتا ہے وہ) اس بل کو تیسرے شخص پر بیچ دیتا ہے۔ اس طرح بل کسی تیسرے فریق کو بیچنے کی دو بنیادی صورتیں ہیں:

۱۔ برابری کے ساتھ ۲۔ کٹوتی کے ساتھ

برابری کے ساتھ:

پہلی صورت یہ ہے کہ بل کا مالک، بینک کو برابر سرابر رقم پر بل فروخت کر دیتا ہے۔ مثلاً بل پر ایک لاکھ روپے کی رقم لکھی ہوئی ہے اور بل کے مالک نے بینک کو ایک لاکھ روپے پر ہی بل فروخت کر دیا۔ یہ صورت قابل عمل نہیں ہے، کیونکہ کوئی بھی بینک بغیر نفع کے ایسا بل نہیں خریدتا، اس کے باوجود اگر ایسا معاملہ وجود میں آجائے تو اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس کو "بیع الدین من غیر من علیہ الدین" قرار دیا جائے تو یہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، جبکہ فقہاء مالکیہ نے کچھ شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ اور اگر اس عقد کو "حوالہ" قرار دیا جائے تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ کسی قسم کی کٹوتی نہ ہو۔[28]

---

[27] لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية، مجلة الأحكام العدلية، نور محمد، (کراتشي: کارخانہ تجارتِ کتب، آرام باغ)، ۱۲۸، المادّۃ، ۶۸۳

[28] عثمانی، مفتی محمد تقی، **بحوث في قضايا فقهية معاصرة**، (کراتشي: معارف القرآن 2012ء)، ۲: ۱۲۰

کٹوتی کے ساتھ:

دوسری صورت یہ ہے کہ بل کو کٹوتی اور ڈسکاؤنٹنگ کے ساتھ کسی تیسرے شخص/بینک کو بیچا جائے۔ یہ صورت تمام ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے، کیونکہ اگر یہ "بیع الدین من غیر من علیہ الدین" ہے تو یہ اکثر فقہاء کے ہاں ویسے بھی ناجائز ہے اور کمی بیشی کے ساتھ تو بطریق اولی ناجائز ہے۔ اور اگر یہ "حوالہ" ہے تو بھی یہ ناجائز ہے، کیونکہ حوالہ میں "تساوی دینین" ضروری ہے، یعنی محال علیہ (بینک) محال (بل کے مالک) کو جتنی رقم دیکر بل خریدے گا، اتنی ہی رقم وہ محال لہ (خریدار) سے وصول کر سکتا ہے، کمی، بیشی جائز نہیں ہے، جبکہ یہاں کمی بیشی ہو رہی ہے جو کہ "حوالہ بالنقص من الدین" ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

آج کل باقاعدہ ایسے ادارے قائم ہو چکے ہیں جو مختلف کمپنیوں کے دیون اور قرضے کچھ کٹوتی کے ساتھ خریدتے ہیں اور پھر ان قرضوں کو وصول کرکے یا آگے بیچ کر اس پر نفع کماتے ہیں، جس کو آج کل (Factoring Companies) یا (Forfeiting) کہتے ہیں۔ یہ سب قرضوں کی کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔[29]

بل آف ایکسچینج کی کمی، بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اس کی ایک جائز متبادل صورت موجود ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ جس شخص کے پاس یہ بل موجود ہے (تاجر) وہ اس یہ بل بینک کو فروخت نہ کرے، بلکہ بینک کو اس کام کے لیے اپنا وکیل بنا دے کہ بینک اس کے خریدار (مقروض) سے تاجر کے لیے اس کا قرض وصول کرے گا اور اس وکالت کے عقد بدلے بینک کے لیے ایک متعین اجرت مقرر کردے۔ مثلا اگر ایک لاکھ کا قرض وصول کرنا ہے تو اس پر پانچ ہزار روپے بینک کے لیے اجرت مقرر کردے۔ اس کے بعد الگ عقد میں تاجر، بینک سے قرض لے لے۔ بعد میں بینک، خریدار سے ایک لاکھ روپے وصول کرکے اس میں سے پانچ ہزار روپے اپنی اجرت کے طور پر رکھ لے اور باقی پچانوے ہزار کا مقاصہ کرلے۔ یعنی بینک نے تاجر کو جو پچانوے ہزار کا قرض دیا تھا، تاجر کو بتا کر اپنا وہ قرض اس رقم سے وصول کرلے۔

واضح رہے کہ یہاں شرعاً تین عقود جمع ہو جائیں گے:

ا۔ وکالہ بالاجرۃ: یعنی تاجر نے بینک کو اپنا قرض وصول کرنے کے لیے وکیل مقرر کرکے اس کے لیے اجرت طے کردی۔

---

[29] عثمانی، مفتی محمد تقی، **فقہ البیوع**، (کراتشي: معارف القرآن 2016ء)، ا: ٣۴۵

۲۔ قرض: یعنی تاجر نے بینک سے ایک خاص مقدار میں قرض لے لیا۔

۳۔ مقاصہ: یعنی بینک جب تاجر کا قرض وصول کرے گا تو اسی سے اپنا قرض اور اپنی اجرت بھی وصول کر لے گا۔[30]

اس متبادل پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام معاملات (وکالہ، قرض، مقاصہ) سب الگ الگ ہوں۔ کوئی بھی عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط نہ ہو۔ سب کے ایگریمنٹ پیپرز بھی الگ الگ ہونے چاہیے۔ اسی طرح وکالت کی فیس کو مدت کے ساتھ مربوط نہ کیا جائے، مثلا قرض کی وصولی کی مدت زیادہ ہو تو اجرت زیادہ رکھی جائے اور اگر وصولی کی مدت کم ہو تو اجرت بھی کم رکھی جائے۔ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ قرض بہت زیادہ ہے جس کی وصولی کے لیے بینک کو وکیل بنایا جارہا ہے تو بینک کی اجرت زیادہ مقرر کی جاسکتی ہے، اگر قرض کم ہے تو بینک کی اجرت کم مقرر کی جائے۔ اس بات کا بھی خیال رہنا چاہیے کہ بینک تاجر کو جو قرض فراہم کر رہا ہے اس کی وجہ سے اپنی وکالت کی فیس میں اضافہ نہ کرے، ورنہ یہ "کل قرض جر نفعا فھو ربا" کے تحت داخل ہو کر سود اور ناجائز ہو جائے گا۔

خلاصہ ونتائج:

۱-جب کسی شخص پر دوسرے کا دین وقرض لازم ہو جائے اور اس دین یا قرض کی ادائیگی کی ذامہ داری کوئی تیسرا شخص لے لے اور اس ضمانت کی وجہ سے اصل مقروض بری ہو جائے تو اس قسم کے معاملہ کو "عقدِ حوالہ" کہتے ہیں۔

۲-فقہاء حنفیہ کے ہاں حوالہ کے درست ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ضمانت لینے والے شخص (محتال علیہ) پر بھی اصل مقروض (محیل) کا قرض / دین موجود ہو، جبکہ دیگر ائمہ کے ہاں یہ ضروری ہے۔

۳-عقدِ حوالہ کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ بیع ہے یا کوئی اور عقد ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ راجح یہ ہے کہ حوالہ ایک مستقل عقدِ تبرع ہے۔

۴-بل آف ایکسچینج ایک مبادلاتی بل ہے جو ادھار معاملات میں ادھار کی توثیق کے لیے بطورِ دستاویز استعمال ہوتا ہے اور عموما بین الاقوامی تجارت میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔

---

[30] عثمانی، مفتی محمد تقی، بحوث في قضایا فقهیة معاصرة، ۲: ۱۲۰

۵-بل آف ایکسچینج کی حقیقت اور فقہی تکییف میں معاصر علماء کی آراء مختلف ہیں، تاہم زیادہ راجح یہ ہے کہ یہ عقدِ حوالہ ہی ہے، جس میں فروخت کنندہ، جو بل کا مالک ہوتا ہے وہ محال ہوتا ہے، خریدار، جس پر رقم کی ادائیگی لازم ہوتی ہے وہ محیل ہوتا ہے، جبکہ بل کو جب تیسرے شخص پر بیچ دیا جائے تو وہ تیسرا شخص یا بینک محتال علیہ بن جاتا ہے۔

۶-بل آف ایکسچینج کو کسی تیسرے شخص یا بینک کو بل میں لکھی ہوئی رقم کے برابر رقم کے بدلے بیچنے کی بعض علماء کے ہاں گنجائش ہے، لیکن کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔

۷-بل آف ایکسچینج کی خرید وفروخت کی ناجائز صورت کے بجائے متبادل طور پر یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ بل کا مالک، بینک سے اپنے لیے الگ قرض حاصل کرے اور پھر بینک کو اپنا وکیل بنادے کہ بینک اس کے لیے اس کے مقروض سے قرض وصول کرے اور اس پر بینک کو اجرت دی جائے۔ قرض وصول کرنے کے بعد بینک اس کو اپنے قرض کے بدلے رکھ سکتا ہے۔